حضرت علامہ شمس الحق افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

حج

بیت اللہ پر ایک نفسیاتی، عمرانی اور سیاسی نظر

اس مضمون میں حضرت علامہ افغانی سابق شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند و سابق وزیر معارف ریاست قلات نے اپنے مخصوص حکیمانہ اسلوب میں فریضۂ حج پر روشنی ڈالی ہے۔ اور فریضۂ حج کے بارہ میں مغربی اور الحادی شکوک و شبہات کا متکلمانہ انداز میں جواب دیا ہے۔ یہ بلند پایہ مضمون ایسے وقت میں شائع کیا جارہا کہ زائرین حج کی روانگی قریب ہے۔ امید ہے کہ حجاج حضرات اور عام مسلمانوں کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ اور اہل علم حضرات کے لئے بھی اس کا مطالعہ بے حد مفید رہے گا۔ امید ہے کہ عمیق اور عالمانہ طرز بیان کے باوجود اس مضمون سے استفادہ کیا جائے گا۔ (ادارہ)

اسلامی عبادات میں حج بیت اللہ ایک ایسی عبادت ہے کہ مستشرقین یورپ نے سب سے زیادہ اعتراض کا مورد اسی کو بنایا ہے۔ درحقیقت مستشرقین کی استشراقی سرگرمیوں کا محوری نکتہ اور مقصد علمی تحقیق کم اور اعتراضی پہلو زیادہ ہوتا ہے جس سے ان کا مقصود مسلمانوں کے قلوب سے اسلامی عبادات کی عظمت کو ختم کرنا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تحریک علمی کم اور سیاسی زیادہ ہے، اس لئے انہوں نے زبان و قلم دونوں سے اس پروپیگنڈہ کو زور شور سے پھیلایا۔ کہ اسلامی عبادات میں حج ایک نامعقول فعل و عمل ہے۔ اسلام کے متعلق مسیحیوں کی یہ دریدہ دہنی صلیبی جنگوں سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی، لیکن دور حاضر میں مخصوص مصلحت اندیشیوں کے تحت اس فتنہ نے استشراق کا علمی لبادہ پہن لیا، تاکہ زیادہ جاذب توجہ ہو سکے۔ صلیبی جنگوں سے بہت پہلے شام کے ایک نابینا شاعر اسی فتنہ سے متاثر ہو کر طنزاً کہہ چکا ہے:

وقوم اتوامن اقاصی البلاد ۔۔۔ لرمی الجمار ولثم الحجر
فواعجبا من مقالاتہم ۔۔۔ ایعمی عن الحق کل البشر

"مسلمان قوم دور دراز ممالک سے سنگریزوں کے پھینکنے اور حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے آتی ہے۔ اور اس وقت جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ قابل تعجب ہے۔ کیا حق سے ساری دنیا اندھی ہو چکی ہے۔"

یہ شاعر ابو العلاء المعری ہے جسکی ولادت ۳۶۳ھ میں اور وفات ۴۴۹ھ کو ہوئی ہے۔ اس سے اس فتنہ کی قدامت ثابت ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی عبادات میں حج چونکہ سب سے زیادہ بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے جسکو مسیحیوں کا سیاسی مزاج برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے سارا زور قلم انہوں نے اسی کے خلاف صرف کیا۔ جس طرح جہاد کو انہوں نے ہدف طعن بنایا تھا۔ جس کا ان کے مقلد مسلمانوں پر یہ اثر پڑا کہ وہ اس کے نام لینے سے بھی شرمانے لگے، اور اسلام کی اس عظیم طاقت کو انہوں نے تاویلات کے شکنجے میں جکڑ کر اسکی اصلی روح کو ختم کر دیا۔

حج اور جہاد اسلام کی وہ زبردست دو طاقتیں ہیں، جو مسیحی اقوام کے سیاسی مزاج کے لئے خطرہ ہیں۔ وہ مسلمانوں کی رگ حیات کو خوب جانتے ہیں۔ اس لئے وہ اسی مقام پر اپنا نشتر اعتراض چبھو دیتے ہیں جس سے وہ ہماری حیات ملی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ فلسفہ حج کے متعلق کچھ ضروری امور بیان کر دوں تاکہ اس قسم کی غلط اندیشیوں کا خاتمہ ہو اور اصلی حقیقت کسی حد تک سامنے آ جائے۔

مقام حج | حج کی اہمیت کے پیش نظر کتاب وسنت نے اسکو اسلامی زندگی کا اہم جز قرار دیا ہے۔ وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللّٰہ غنیٌ عن العالمین۔ (القرآن) ترجمہ: "اللہ کی طرف سے لوگوں پر ایک خاص گھر کا حج فرض ہے جسکو وہاں پہنچ جانے کی طاقت ہو، اور جو کفر اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔"

اس آیت میں فرضیت حج کے ساتھ ساتھ ترک حج کے لئے ایسی شدید تعبیر اختیار کی گئی جس نے اسلامی زندگی کیلئے حج کو بہت ضروری قرار دیا۔ یعنی ترک حج کے لئے وَمَنْ لَمْ یَحُجَّ یعنی جو کوئی حج نہ کرے یہ تعبیر اختیار نہیں کی گئی بلکہ اس کی بجائے یوں فرمایا وَمَنْ کَفَرَ یعنی جو کفر اختیار کرے جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ استطاعت کے باوجود ترک حج ایک کافرانہ فعل ہے، مومنانہ نہیں جس سے معلوم ہوا کہ حج اور ایمان میں کس قدر شدید تعلق ہے۔

ابو امامہ سے مسند امام احمد میں روایت ہے کہ جو مسلمان مر جائے اور بلا عذر حج ترک کر دے تو

وہ یہودی اور نصرانی کی موت مرتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دو گروہ حج کے خلاف ہیں، کیونکہ مشرکین عرب قبل از اسلام بھی حج کرتے تھے۔

روح المعانی میں صحیح سند کے ساتھ فاروق اعظم کا ایک فرمان منقول ہے کہ میرا یہ ارادہ ہے کہ مسلمانوں کے شہروں میں اپنے عامل اور کارندے بھیج دوں تاکہ جو مسلمان استطاعت کے باوجود حج نہ کرتا ہو ان پر جزیہ لگائے، کیونکہ وہ مسلمان نہیں۔

اس سے حج کا مقام بخوبی سمجھ میں آگیا ہوگا، اب حج کا تعلق چونکہ بیت اللہ اور خانہ کعبہ سے ہے۔ اس لئے حقیقت کعبہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ بیت اللہ اور خانہ کعبہ کے متعلق صحیح اسلامی تصوّر ذہن میں جم جائے۔

حقیقت کعبہ

آگے چل کر ہم بیان کریں گے کہ محبت الٰہی جو فطرت انسانی میں داخل ہے۔ اس کی تکمیل اور تشنگی بجھانے کیلئے ایک مرکز کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ تصوّر محبت کیلئے ایک ٹھکانہ ہو —— اس مرکزیت کے انتخاب کیلئے اسلام نے ضروری سمجھا کہ وہ مرکز مظہر تجلی الٰہی تو ضرور ہو، لیکن بت یا بت کا مشابہ اور مماثل نہ ہو، تاکہ خدا پرستی بت پرستی کی شکل اختیار نہ کرنے پائے اور اسلامی توحید صنمیت (بت پرستی) سے آلودہ نہ ہو اور ذات حق کی شان تنزیہی قائم رہے۔

علم الاصنام سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تاریخ بشریت کے آغاز سے اللہ کے سوا جن اشیاء کو اب تک معبود بنایا گیا ہے وہ ایسی چیزیں تھیں، جن میں مندرجہ ذیل خصوصیات موجود تھیں۔

۱۔ مبصریت یعنی نظر آنے والی چیز۔ ۲۔ لونیت یعنی رنگدار ہونا۔ ۳۔ کثافت یعنی ایسا جسم ہونا جو لطیف اور غیر مرئی نہ ہو۔

زمینی بت اور آسمانی ستارے سب اسی دائرے کی چیزیں ہیں۔ کہ نظر بھی آتی ہیں، رنگدار بھی ہیں اور غیر مرئی بھی نہیں۔

اسلام نے مرکز محبت کیلئے ایسی چیز کا انتخاب کیا ہے، جو بتوں سے ان تین خصوصیات میں بالکل جدا اور مباین ہے۔ اور وہی چیز حقیقت کعبہ ہے۔ یعنی خانہ کعبہ کی چار دیواری کے درمیان جو فضا ہے اور جو اوپر کو غیر محدود مقام تک چلی گئی ہے۔ وہی حقیقت کعبہ ہے۔ باقی چھت اور چار دیواری اس فضا کی تعین و تشخص کیلئے کھینچی گئی ہے تاکہ تجلی گاہ الٰہی کی یہ فضا دوسری فضا سے مخلوط نہ ہونے پائے۔

یہی وجہ ہے کہ خود اسلامی دور میں عبداللہ بن زبیرؓ نے تعمیر کعبہ کے سلسلہ میں پرانی دیواریں اور چھت گرائی اور از سر نو خانہ کعبہ کو تعمیر کیا، اسی طرح اس کے بعد حجاج ابن یوسف الثقفی نے خلیفہ عبدالملک کے

حکم سے ابن زبیر کے بناکردہ خانہ کعبہ کو گرایا اور نئے سرے سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ ان دو واقعوں کے دوران چھت اور چار دیواری باقی نہ رہی لیکن مسلمانوں نے قبلہ رخ ادائیگی نماز کو اسی طرح جاری رکھا۔ اور نماز کو ملتوی کرنے کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا۔ جو اس امر کی دلیل ہے کہ عمارت گرا دینے کے باوجود حقیقی کعبہ باقی تھا جو فضائے کعبہ ہے۔ اس کے علاوہ ہم ابوقبیس یا قیقعان پہاڑ پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ جو خانہ کعبہ کی چھت سے بہت بلند ہے۔ اس لئے ان پہاڑوں کی چوٹی پہ جو نمازی ہو تو اس کے بالمقابل عمارت کعبہ سامنے نہیں آتی، بلکہ کعبہ کی چار دیواری اور چھت نیچے رہ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ زمین گول ہے، لہٰذا دور علاقے کا اگر کوئی آدمی ہموار زمین پر بھی نماز پڑھے تو کعبہ کی عمارت سامنے نہ ہوگی، لیکن کعبہ کی دیواروں کے درمیان گھری ہوئی فضا جو آسمانوں تک گئی ہے۔ وہ ہر حال میں سامنے رہے گی۔ اور یہی فضا حقیقی کعبہ ہے۔ چھت کا ڈالنا بالائی تحدید کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہے تاکہ دیواروں کی حفاظت ہو۔

اس پر ہوائی جہاز کی نماز کو قیاس کرو، کہ اس میں سمت قبلہ کو اگرچہ عمارت موجود نہیں لیکن فضا موجود ہے جو کہ حقیقی کعبہ ہے۔ ان وجوہات سے حقیقی کعبہ کا اسلامی تصور واضح ہوگیا۔

مرکزیت محبت کیلئے فضا کا انتخاب

جب یہ معلوم ہوا کہ حقیقی کعبہ بیت اللہ کی معین فضا ہے اور فضا یا ہوا ایک ایسی چیز ہے جو بت پرستانہ خصوصیات سے پاک ہے۔ فضا میں نہ مبصریت ہے کیونکہ فضا نظر نہیں آتی، نہ کثافت ہے، بلکہ لطافت ہے اور نہ لونیت یعنی رنگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی قوم نے فضا یا ہوا کی عبادت نہیں کی۔ اس انتخاب میں ایک طرف فطرتِ انسانی کا لحاظ ہے کہ اس کے تصورِ محبت کے لئے ایک معین ٹھکانہ ہو، اور دوسری طرف ذات حق اور محبوب حقیقی سے بھی ایک درجہ میں مناسبت ہے کہ رنگدار اور کثیف نہ ہونے کی وجہ سے لا تدرکہ الابصار (کہ اسے آنکھیں نہیں دیکھتیں) مصداق ہے۔

مناسک حج اور افعال حج کو چونکہ اسی حقیقی کعبہ سے تعلق ہے۔ لہٰذا ہم اسلام کے اس عظیم رکن حج کا فلسفہ اور اس کے اسرار و حکم اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ ذہن میں حج کی معقولیت کا تصور جم جائے۔

پہلی حکمت

انسان کائنات عالم کی ایک شریف ترین ہستی ہے۔ اور اسکی فطرت میں مخصوص محبت داخل ہے جس کا نام محبت لطیفہ ہے۔ محبت اگر مادیات سے ہو تو وہ محبت کثیفہ ہے۔ اس میں حیوان اور انسان مشترک ہیں۔ کیونکہ انسان بھی حیوانات کی طرح ایک جسم مادی

رکھتا ہے تو حیوانات کے ساتھ اس وصف میں اس کا اشتراک لازمی ہے۔ حیوان کو کھانے کی چیزوں سے محبت ہے۔ اپنے سے محبت ہے، نر و مادہ میں باہمی محبت ہے۔ اولاد سے محبت ہے۔ ان ساری محبتوں میں انسان ان کا شریک ہے اور اسی کا نام محبت کثیفہ ہے۔

محبت کی دوسری قسم محبت لطیفہ ہے جو صرف انسانی خصوصیت ہے، اور روح انسانی کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ لطیف اور نامحسوس اشیاء سے محبت کرتی ہے۔ مثلاً انسان کو خود اپنی روح سے محبت ہے۔ علم سے محبت ہے، اپنی بصارت یعنی قوۃ بینائی سے محبت ہے۔ اور یہ سب چیزیں لطیف اور ماوراء حس ہیں۔

محبت لطیفہ کی اعلیٰ قسم

محبت لطیفہ کی اعلیٰ قسم خداوند تعالیٰ کی محبت ہے کیونکہ محبوب سب سے اعلیٰ ہے۔ اور یہ محبت بھی فطرت انسانی میں داخل ہے انسان نے تاریخ کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ اور اسی محبت کے فطری جذبہ کی تکمیل کیلئے اس نے عبادت گاہیں، کسی نے مسجد کسی نے مندر کسی نے گرجا کی تعمیر کی ہے۔ اس میں صرف اہل اسلام نے محبت الٰہی کے صحیح مقام کو پایا اور باقی اقوام نے اصل مقام سے بھٹک کر محبت الٰہی کا غلط تصور اختیار کیا۔ لیکن محبت الٰہی صحیح ہو یا غلط دونوں صورتوں میں محبت الٰہی کے فطری ہونے کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔ محبت کھری ہو یا کھوٹی پھر بھی اصلی محبت کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ محبت الٰہی کی غلط قسم خود محبت کی صحیح قسم کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کسی جگہ کھوٹا روپیہ یا جعلی نوٹ استعمال ہو تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اصلی نوٹ یا کھرا روپیہ بھی اپنی جگہ موجود ہے۔ اور یہ جعلی اور کھوٹا سکہ اس کے خلاف ہے۔ باطل کی موجودگی حق کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ ورنہ حق و باطل کی تقسیم ہی بیکار ہو جائے گی۔

جب یہ ثابت ہوا کہ جس طرح محبت کثیفہ جسمانی اعتبار سے فطری ہے اور ہر کوئی کھانے، پینے اور جنسی میلان سے محبت رکھتا ہے۔ تو اسی طرح روحانی حیثیت سے انسان کیلئے محبت الٰہی بھی فطری ہے اور جس طرح قدرت نے محبت کثیفہ مادیہ کے لئے سر و سامان کا انتظام کیا ہے اور زمین پر کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا دسترخوان قدرت نے انسان کے لئے بچھا دیا ہے۔ اسی طرح محبت لطیفہ کے فطری تقاضا کی تکمیل کیلئے بھی قدرت نے انتظام کیا ہے کیونکہ یہ روحانی تقاضا جسمانی تقاضا سے اہم اور قیمتی ہے۔

محبت روحانیہ لطیفہ کی تکمیل

خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہر انسان کو محبت ہے۔ اگرچہ چند ایسے لادین اور دہریے افراد بھی موجود ہوں کہ ان کو خدا سے

محبت نہ ہو بلکہ سرے سے خدا سے انکار ہو، تو اس سے محبت الٰہی کے فطری ہونے پر اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ ان کو روحانی مریض اور قلب و دماغ کا بگڑا ہوا شخص تصور کیا جائیگا۔ جیسے کہ بعض مریضوں کو بوجہ مرض کھانے کا شوق باقی نہیں رہتا، اور نہ طبیعت میں غذا کھانے کی طرف میلان ہوتا ہے۔ تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ غذا فطری کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ مزاج بدنی اعتدال پہ نہیں اور وہ مریض ہے۔ یہی حال روحانی مزاج کا ہے۔ جب وہ اپنے فطری تقاضا محبت الٰہی سے بیزار ہو جاتا ہے تو یہی سمجھا جائے گا۔ کہ اس کا روحانی مزاج اعتدال سے ہٹا ہوا ہے اور اس کی روح اور قلب و دماغ مریض ہے۔

مرکزیت کعبہ کی ضرورت

محبت الٰہی میں چونکہ محب مکانی اور زمانی ہے اور محبوب حقیقی غیر زمانی وغیر مکانی ہے۔ اس کے علاوہ ماوراء تصور ہے۔ لہٰذا دونوں میں کامل بعد اور عدم تناسب ہے۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ شان تنزیہ[1] اور کبریائی کو قائم رکھتے ہوئے مخلوقات باری میں کعبہ حقیقی (فضاء بیت اللہ) کو وہ اپنے انوار و تجلیات خاصہ کا مظہر بنائے، تاکہ مکان و زمان کی نقاب میں آکر وہ انوار و تجلیات انسان کے تصور محبت کیلئے تسکین کا سامان ہوں اور ارتباط محبت کے استحکام کا ذریعہ بنیں۔ وہ مظہر تجلی تمام صنمی خصوصیات[2] سے مبرا ہو، اس مظہر تجلی الٰہی کے ساتھ جو محبانہ اور عاشقانہ عمل بطور عبادت وابستہ کیا جائے۔ مثلاً حج اس کے تمام اعمال و مناسک بھی ایسے ہوں کہ وہ واحد لاشریک ذات یعنی صاحب تجلی کے لئے ہوں، کعبہ اور تجلی گاہ کے لئے نہ ہوں، کیونکہ تجلی گاہ یعنی کعبہ خود مخلوق اور عبد ہے نہ کہ معبود۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے حجر اسود کو جو کعبہ کا مقدس ترین حصہ ہے مخاطب کرکے مجمع عام میں فرمایا: واللہ انک لحجر لا تنفع ولا تضر لولا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلک ما قبلتک۔ (بخدا میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے۔ نہ فائدہ دے سکتا ہے، اور نہ نقصان اگر حضور تجھ کو بوسہ نہ دیتے تو میں تجھ کو ہرگز بوسہ نہ دیتا۔) یعنی میرا عمل حضور کے عمل کی پیروی ہے۔ اور حضور کا عمل اس لئے نہ تھا کہ خود حجر اسود محبوب ہے۔ بلکہ محبوب حقیقی کی محبت کی علامت ہے یہی راز ہے کہ حج کے تمام اعمال میں جو مسلسل عمل ہے وہ تلبیہ ہے یعنی لبیک اللھم لبیک۔ لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک[3]۔ یہی وہ الفاظ ہیں جن کو بار بار حاجی دہراتا ہے۔ اور جن میں اللہ کی کبریائی کا اعلان ہے۔ تمام حجاج تلبیہ کہہ کر

---

[1] اللہ کی پاکیزگی اور بڑھائی　[2] بت پرستانہ صفات　[3] حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں سب تعریف سارا احسان تیرا ہی ہے سلطنت تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

بار بار یہ اعلان کرتے ہیں کہ ساری طاعت، نعمت، حمد و انقیاد صرف ذات رب العالمین کے لئے ہے۔ اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

حج کے تمام اذکار میں الہٰی عظمت و توحید کا یہ ورد و تکرار جاری رہتا ہے۔ اور ان میں ایک لفظ بھی خانہ کعبہ یا حجر اسود یا حج سے متعلقہ مقامات کی مدح و تعریف کے لئے موجود نہیں تاکہ غیر اللہ کی پرستش کا ادنیٰ توہم بھی پیدا نہ ہو سکے۔

انسان کے ہر فطری جذبہ کے جداگانہ مقتضیات ہیں، اور ان تقاضوں کی تکمیل کا تعلق ایک خاص دائرہ عمل سے وابستہ ہے۔ ایک ریاضی دان کے جذبہ حساب دانی کی تکمیل مشکل سوالات کے حل کر دینے سے ہوگی، موسیقی کے نغموں سے نہ ہوگی۔ لیکن جذبۂ موسیقیت کی تکمیل سوالات حساب کے حل سے نہ ہوگی، نغمہ سنجی اور ساز نوازی سے ہوگی۔ اسی طرح عشق الہٰی کے جذبہ کی تکمیل کے تقاضے خستہ حالی بے سر و سامانی، ترک عیش و طرب، خود رفتگی اور محبوب حقیقی میں محویت کے عاشقانہ حرکات اور والہانہ اداؤں سے پورے ہوں گے۔ جسکو ناآشنایان کوچہ عشق و محبت جنون سے تعبیر کرتے ہیں۔

ز رمز زندگی بیگانہ تہ باد کسے کو عشق را گوید جنون است

حج بیت اللہ کی دوسری حکمت۔ مرکزیت ملت اسلامیہ کی حیاۃ دینی و دنیوی کیلئے افراد ملت کے ارتباط باہمی اور نظم و اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔ عقائد و افکار و اعمال کی معنوی ربط اس وقت تک منضبط نہیں ہو سکتی، تاوقتیکہ اس نامحسوس رابطہ و یگانگت کو محسوس قالب میں نہ ڈھالا جائے اور ان سب کو ایک جیسے اعمال و حرکات و طرز لباس کے ساتھ ساتھ ایک مرکزیت محسوسہ بجربہ کیساتھ وابستہ نہ کیا جائے۔ تنظیم ملت ایک مرکز محسوس کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ افراد ملت کیلئے اس کے ساتھ خصوصی عقیدت اور شیفتگی ہو اور اس کے ساتھ وابستگی کا ایک سالانہ بین الاقوامی مظاہرہ ہو تاکہ مرکز سے ارتباط کا جذبہ کمزور نہ ہونے پائے اور مرکزی حکومت کا جوش قلوب و اذہان میں تازہ اور زندہ رہے جس کے لئے فریضۂ حج کے سالانہ اجتماع کی شکل میں انتظام کیا گیا۔ تاکہ مرکزیت ملی کی عظمت و عقیدت تازہ رہے۔ اس کے علاوہ اس جذبہ کی بقا و حیات کیلئے روزمرہ کے اسلامی معمولات میں بھی حکیمانہ قوانین نافذ کئے گئے تاکہ تصور مرکزیت میں ضعف نہ آنے پائے۔ فولو وجوھکم شطر المسجد الحرام کے الہٰی قانون کے تحت حکم دیا گیا کہ پنجگانہ نمازوں بلکہ ہر نماز میں تمہارا رخ ملی مرکز کی طرف ہو، اور لا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروا میں مرکز ملی کے ادب و عظمت کے پیش نظر یہ حکم دیا گیا کہ قضائے حاجت کے وقت مرکز ملی کی طرف رخ اور پیٹھ

نہ ہو تاکہ اس وقت بھی تم کو اس کا احترام وادب ملحوظ رہے۔ یہاں تک کہ قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانے اور تھوکنے تک کی بھی بندش کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے دین کا ہر عمل اور خشک سے خشک عبادت بھی سراپا سیاست ہے جسکو مغربی قومیں خوب سمجھتی ہیں۔ اس لئے مستشرقین ایسی ہی چیزوں کو مورد اعتراض بناتے ہیں، تاکہ تنظیم ملت پارہ پارہ ہو۔

حج کی تیسری حکمت ۔ مساوات اسلام کا مقبول ترین اصول مساوات اسلامی ہے کہ کسی دین میں اسکی نظیر نہیں۔ مساوات ہی وحدت ملی کی سب سے بڑی قوت ہے جس سے افراد ملت محبت باہمی کی کشش سے ایک دوسرے سے مربوط ہو سکتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر افراد ملت کے امراء کو غرباء اور غرباء کو امراء سے نفرت ہو تو انضباط ملت کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

اسلام نے نماز باجماعت، روزہ رمضان، نماز عیدین، زکوٰۃ میں مساوات اسلامی کے پہلوؤں کو مختلف شکلوں میں پیش نظر رکھا، لیکن فریضہ حج میں مساوات اسلامی کو ایک مکمل شکل دیدی گئی ہے۔ تاکہ اس عمل سے ایک ایک فرد ملت کے قلب و دماغ پر اسلامی برادری کی مساوات کا تصور پوری طرح جم جائے، ہر حج کرنے والا خواہ شاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا غریب ایک جیسے لباس احرام میں ملبوس ہوا، اور سب کے سب جملہ تعیشات زندگی سے یکسو ہو کر سادہ لباس میں ایک ہی جگہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں، تاکہ ایک خاص وقت تک اس مساویانہ طرز زندگی سے مساوات اسلامی کا نقش دل پر جم جائے اور امیر و غریب کے مصنوعی تفاوت کا حجاب اسلامی برادری کی راہ اتحاد میں حائل نہ ہونے پائے۔ معاشی تفاوت خالق کائنات کی تکوینی حکمت کے تحت اگرچہ ضروری ہے۔ کیونکہ معاشیات جن علمی وعملی قوتوں سے وابستہ ہیں خود نظرتاً وہ قوتیں تمام انسانوں میں یکساں نہیں متفاوت ہیں اسی معاشی تفاوت نے ایک کو دوسرے کا محتاج بنا دیا ہے اور یہ احتیاج بھی فی الحقیقت یکطرفہ نہیں بلکہ دوطرفہ ہے۔ تاکہ حاجتمندی میں بھی مساوات رہے مثلاً ہم اگر درزی سے کپڑے سلواتے ہیں یا دھوبی سے دھلواتے ہیں تو درزی اور دھوبی رقم اجرت کے محتاج ہیں۔ لیکن ہم خود ان کے عمل کے محتاج ہیں اسی دوطرفہ احتیاج نے متفاوت افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

لیتخذ بعضھم بعضاً سخریاً جس سے معلوم ہوا کہ معاشی تفاوت بھی تنظیم کا سبب ہے۔ لیکن اس تفاوت سے دولتمند افراد میں جو خودسری، تکبر اور غرور پیدا ہوتا ہے، وہ تنظیم ملت کیلئے زہر قاتل ہے۔ اس لئے اسلام کے عباداتی نظام میں بھی اس خرابی کو دور کرنے کا انتظام کیا گیا جسکی ایک شکل حج کا ایک

مساویانہ طرزِ زندگی ہے۔

حج کی چوتھی حکمت ۔ سفرِ آخرت کا نقشہ انسان کے قلب و دماغ پر جس قدر آخرت کا تصور غالب ہو اسی قدر وہ نیکوکار پاکیزہ اطوار اور خداترس ہوتا ہے۔ اور جس قدر تصورِ آخرت سے غفلت ہو، اسی قدر وہ فسق و فجور ظلم و ستم فتنہ و فساد سیاہکاریوں اور بدکاریوں میں ملوث ہوتا ہے۔ اس لئے فکر و عمل کی پاکیزگی کے لئے آخرت اور یوم الحساب کا نقشہ ذہن میں جمانا ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ اصلاح عمل و درستی کردار کا سامان ہو، اعمالِ حج میں سفرِ آخرت کی پوری تصویر ہے، سفرِ آخرت موت سے شروع ہوتا ہے جس میں آدمی وطن و اولاد اور اقارب سے جدا ہوتا ہے۔ حاجی جب گھر سے نکلتا ہے اور اولاد، وطن، احباب کو چھوڑتا ہے تو یہ موت کا نمونہ ہے۔ لباس احرام یعنی دو چادریں جن میں ملبوس ہو کر اعمالِ حج ادا کئے جاتے ہیں۔ یہ نمونہ کفن ہے۔ جسکو ہر وقت حاجی دیکھ کر کفن کی یاد تازہ کر سکتا ہے۔ حاجی کی سواری جس پر بیٹھ کر وہ سفر حج کرتا ہے، اسکو اپنا مآل و انجام یاد دلاتی ہے، کہ کسی دن دوسرے کے کندھوں پر اس طرح تمہارا جنازہ سوار ہو کر اسی طرح لازم سفرِ آخرت ہوگا، عرفات اور مزدلفہ کے میدان میں حاجیوں کا اجتماع میدانِ حشر کے اجتماع کی یاد دلاتا ہے اسی طرح قدم قدم پر حاجی کیلئے سفرِ آخرت کا کوئی نہ کوئی نمونہ موجود ہے۔ جسکو دیکھ کر دل و دماغ کو فکرِ آخرت سے معمور کیا جاتا ہے اور یہی فکرِ آخرت ہی تمام نیک اعمال کی کنجی ہے۔

پانچویں حکمت ۔ ماحول کی تبدیلی انسان اپنے ماحول کی پیداوار ہے وہ جسطرح کے ماحول میں پرورش پاتا ہے، اسی طرح بن جاتا ہے۔ علم النفسیات کا یہ ایک مسلّم مسئلہ ہے کہ انسان میں نقالی اور محاکات کا جذبہ موجود ہے وہ اپنی زندگی کے طور و طریقے اور فعل و عمل کا ہر گوشہ اپنے ماحول کے مطابق بناتا رہتا ہے۔ اور جو کچھ وہ اپنے گرد و پیش دیکھتا ہے اسی کے موافق اپنی زندگی کا نقشہ بناتا ہے۔ اس لئے اصلاحِ زندگی کے لئے ایک وقت ایسا چاہیئے کہ انسان کو فاسد اور بگڑے ہوئے ماحول سے اٹھا کر نیک اور صالح ماحول میں ڈال دیا جائے تاکہ اس صالح ماحول کے نقوش اس کے لوحِ حیات پر کندہ ہو کر اسکی زندگی کو بدل دیں۔ آغازِ حج سے واپسی حج تک ایک ایسا ماحول ہے جو انسانی زندگی کا نقشہ بدل دیتا ہے۔ اور اس تبدیلی احوال کا نام حج مبرور ہے، یعنی مقبول حج کی علامت یہ ہے۔ کہ حاجی کی بعد از حج زندگی قبل از حج زندگی سے بہتر ہو۔ معلوم ہوا کہ حج کو تبدیلی ماحول کی وجہ سے اصلاح معاشرہ میں بڑا دخل ہے۔

چھٹی حکمت ۔ جذبۂ سیاحت کی اصلاح انسان کی فطرت میں سیاحت کا جذبہ موجود ہے جسکو روکنا خلافِ فطرت ہے۔ اس لئے اسلام نے اسکو

روکا نہیں بلکہ ابھارنے کی ترغیب دی اور قرآن نے فسیحوا فی الارض ۔ کا اعلان فرما کر اس جذبہ کی حوصلہ افزائی کی، سیاحت کے ذریعہ مختلف ممالک کی گشت لگا کر جسطرح نیک آثار و اطوار اپنی ذات اور واپسی پر اپنے ملک کے افراد میں منتقل کئے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح بد آثار بھی اسلام نے اس فطری جذبہ کے اصلاحی پہلو کو اختیار کیا، کہ علم و جہاد کے علاوہ سیاحت کو حج کی صورت میں متشکل کیا تاکہ حاجی مقبول اور برگزیدہ انسانوں کی جماعت میں شامل ہو کر مقبولان بارگاہ الٰہی کے ان آثار قدیمہ اور شعائر اللہ کے مشاہدے سے بہرہ اندوز ہو جسکی وجہ سے ان کے فکر و عمل کو صلاح و تقویٰ کی طرف موڑ دیا جاسکے اور ان کے نمونہ زندگی سے ملک میں صالح معاشرہ کی تشکیل ہو سکے۔

ساتویں حکمت ۔ جذبہ جہاد کی نشوونما دنیا کارزار عمل اور میدان کشمکش حیات ہے، جو قوم اس جہان رزم و پیکار میں جسقدر زیادہ روح جہاد رکھتی ہو اور زیادہ سے زیادہ سامان جہاد سے آراستہ ہو وہ سربلند کامیاب اور باعزت قوم ہو گی، اور اس سرو سامان سے اگر محروم ہو تو وہ حیوانات کیطرح محکوم و غلام بن کر غیر اقوام کے منشاء کی تکمیل اور ان کی خوش عیشیوں کیلئے آلۂ کار ہو کر زندگی گذارتی رہے گی۔ اور شرف انسانی کی بلندی سے گر کر قعر غلامی میں گرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے زیادہ زور جہاد پر دیا، اور "ذروۃ سنامہ الجہاد" کہہ کر اسکو ملت اسلامیہ کی عزت اور سربلندی کا واحد ذریعہ قرار دیا ہے۔ قرآن نے شہید کی موت کو موت کہہ دینے سے منع کیا ہے۔ بلکہ اسکی ظاہری موت کو ایک عظیم الشان حیات کا ذریعہ قرار دیا ایسی حیات جسکی خوشحالیوں کا تصور انسانی شعور کے دائرہ سے خارج ہے۔ حدیث نبوی نے اعلان کیا کہ شہید کو نہ موت کی تکلیف ہو گی اور نہ قبر کا عذاب ـــــ جہاد کے لئے چونکہ ظاہری سامان حرب و ضرب بھی ضروری ہے جسکی فراہمی کو اس لئے قرآن نے مسلمانوں پر سامان جنگ اور آلات حرب کی تیاری کو فرض قرار دیا ہے۔ "واعدوا لھم ما استطعتم" یعنی جسقدر تمہارا بس چلے تو اسی قدر سامان جنگ مہیا کرو اتنا سامان کہ اگر غیر مسلم اقوام تمہارے خلاف متحدہ محاذ بھی بنالیں تو وہ تمہارے سامان جنگ کی تیاری کو دیکھ کر مرعوب ہوں اور مقابلہ کا حوصلہ نہ کر سکیں۔

"ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم ۔ لیکن ظاہری سامان کے علاوہ جہاد کیلئے باطنی روحانی اور اخلاقی ساز و سامان کی بھی ضرورت ہے۔ آلات جنگ کا استعمال انسانی جسم کرتا ہے اور جسم و بدن کی جنگی اعمال کا اصلی محرک روح ہے۔ روح اگر طاقتور ہو تو کم سامان سے بھی بہت کام لیا جا سکتا ہے۔ "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ" یعنی چھوٹا گروہ بڑے گروہ پر غالب آسکتا ہے، اور اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے روح کی بلندی اور ایمانی طاقت سے اپنے دس گنا بلکہ سو گنا

طاقت کو شکست دی ہے، یہی روحانی و ایمانی طاقت ہے جسکی نشوونما مسلمانوں کیلئے فتح و کامیابی کی کنجی ہے، اور صرف اسی قوت کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے اس متاع عزیز کی حفاظت بیحد ضروری ہے۔ حج بیت اللہ میں اسی ایمانی اور اخلاقی قوت کی نشوونما اور بالیدگی کا پورا سامان موجود ہے، بشرطیکہ حاجی ان تصورات کے تحت اعمالِ حج کو انجام دے۔

حج اور جہاد

جہاد میں اکثر بری و بحری تکلیفوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے، راحت و آرام و سامانِ عیش کو قربان کرنا پڑتا ہے، محبوب حقیقی کی رضاجوئی کے واحد مقصد کیطرف متوجہ ہونا پڑتا ہے، ان تمام چیزوں کی مشق کا سامان حج میں موجود ہے ـــ رمی جمار یعنی سنگریزوں کے مارنے میں دشمن ملت سے نفرت و عداوت کا مظاہرہ ہے جس سے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کی قوت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اور آخری بات جو دم تمتع و قران کی شکل میں قربانی ہے، اسمیں خلیل علیہ السلام کا نمونہ موجود ہے، جسکے ساتھ ملت اسلامیہ کی وابستگی ہے۔ ملۃ ابیکم ابراہیم جس سے حاجی کے دل و دماغ میں یہ تصور جم جاتا ہے کہ جب اللہ کا ایک عظیم پیغمبر خدا کے حکم کی تعمیل میں جو اسکو خواب میں دیا گیا تھا، نہ بیداری میں اپنے عظیم فرزند کی قربانی کیلئے تیار ہوا تھا، جو تکمیل امتحان کے بعد حیوانی قربانی میں تبدیل ہوا لیکن قربانی خلیل علیہ السلام کا یہ عمل خدا کو ایسا پسند آیا کہ تا قیامت اسکو ملت اسلامیہ کیلئے باقی رکھا۔ کہ وہ اس سے درس قربانی حاصل کرے اور اگر جہاد میں خالق کائنات انسانی قربانی کا حکم دے تو بیدریغ جان قربان کردینے کیلئے آمادہ ہوسکے۔

بلبل، ہم ندیم مصرعہ نظیری را — کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلہ ما نیست

درحقیقت اسی موت میں حیات جاودانی کا سامان مضمر ہے۔

جو دیکھی ہسٹری اس بات پر کامل یقیں آیا — جسے مرنا نہیں آیا اسے جینا نہیں آیا

ان سطور بالا سے مستشرقین کی ہرزہ گوئی کی حقیقت واضح ہوگئی جو وہ حج کے خلاف کرتے ہیں۔

اس مقام پہ پہنچ کر یہ حقیقت بے نقاب ہوئی کہ علم و مذہب کی جتنی نزاع ہے، فی الحقیقت علم اور مذہب کی نہیں مدعیان علم کی خامکاریوں اور مدعیان مذہب کی ظاہر پرستیوں کی ہے حقیقی علم اور حقیقی مذہب اگرچہ الگ الگ راستوں سے چلتے ہیں مگر بالاخر ایک ہی منزل پہ پہنچ جاتے ہیں علم محسوسات سے سروکار رکھتا ہے مذہب ماوراء محسوسات کی خبر دیتا ہے۔ دونوں میں دائروں کا تعدد ہوا مگر تعارض نہ ہوا، جو کچھ محسوسات سے ماوراء ہیں ہم اسے محسوسات سے معارض سمجھ بیٹھتے ہیں اور یہاں سے ہماری فکر کج اندیش کی ساری درماندگیاں شروع ہو جاتی ہیں ورنہ حقیقی مذہب اور صحیح علم میں کبھی تعارض نہیں ہوتا۔